مہاراجا رنجیت سنگھ

NEHRU
BAL PUSTAKALAYA

پریتم سنگھ

مصوّر
نیتا گنگوپادھیائے



نہرو بال پُستکالیہ

مہاراجا رنجیت سنگھ

مصنّف
پریتم سنگھ

مترجم
بہار الہٰ آبادی

مصوّر
نیتا گنگو پادھیائے



نیشنل بُک ٹرسٹ، انڈیا



مہاراجا رنجیت سنگھ

مہاراجا رنجیت سنگھ

بچّوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس شام نانی ان کی بات مان کیوں نہیں رہی ہیں۔ سب ہی خوشامد کر رہے تھے کہ سونے سے پہلے کہانی سنائیں لیکن وہ مان نہیں رہی تھیں۔

آخر کار نانی مان گئیں اور سب بچّوں نے پوما، بینا، آدی، ہنّی، عرش اور سنی نے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔

"اب یہ سب بند کرو۔" نانی نے چڑ کر کہا: "اگر کہانی سُننی ہے تو بالکل چُپ ہو جاؤ۔"

بچے چُپ ہو گئے اور دھیان سے سُننے لگے۔ نانی نے اس طرح کہانی شروع کی:

"ایک زمانہ کی بات ہے، ایک راجا تھا، اس کا نام رنجیت سنگھ تھا۔ وہ اس زمانہ کے اور راجاؤں کی طرح نہیں تھا۔ دوسرے راجاؤں کی رعایا ان سے ڈرتی تھی لیکن رنجیت سنگھ کی رعایا اس سے پیار کرتی تھی۔"

سنّی نے پوچھا: "رعایا اس راجا سے کیوں پیار کرتی تھی؟"

"دیکھو، جب راجا اپنی رعایا سے پیار کرتا ہے تو بدلے میں اس کو بھی پیار ملتا ہے۔" نانی نے جواب دیا۔ "کتنی سیدھی سادی بات ہے کہ جب تم کسی سے پیار کرو گے تو وہ بھی تم سے پیار کرنے لگتا ہے۔"

عرش نے بیچ میں ہی پوچھا: "لیکن رنجیت سنگھ اپنی رعایا سے کیسے پیار کرتے تھے؟"

"جلدی مت کرو، پہلے بات سنو۔" نانی نے کہا۔ "ایک دن رنجیت سنگھ اپنے ہاتھی پر سوار اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ ایک پھلوں کے باغ میں سے گزر رہے تھے۔ اس باغ میں بیر کے کئی درخت تھے۔ گاؤں کے بچے بیر کے پیڑوں پر پتھر پھینک رہے تھے تاکہ بیر نیچے گریں اور وہ انھیں چن کر کھائیں۔ پھر ایسا ہوا کہ ان بچوں میں سے ایک تندرست بچے نے طاقت سے ایک پتھر پیڑ پر پھینکا لیکن وہ پتھر بجائے پیڑ کی بیروں سے بھری ڈالی پر لگنا، راجا کی پیشانی پر جا لگا۔"

"کیا کہا، وہ پتھر کیا واقعی اُن کی پیشانی پر جا لگا۔" ہنی خاموش نہ رہ سکا اور پوچھ بیٹھا۔

"ہاں بیٹا۔" نانی نے جواب دیا۔ "وہ سیدھے ان کی پیشانی پر جا لگا۔ راجا کے سپاہی دوڑ پڑے اور بچوں کو گھیر لیا۔ راجا کے سامنے لانے سے پہلے سپاہیوں نے اُن بچوں کی اچھی خاصی مرمت بھی کر ڈالی۔ راجا نے سپاہیوں کو، بچوں کو مارنے سے منع کیا اور کہا: "کیا تم لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ننھے بچے پھولوں کی طرح ہوتے ہیں؟ اس طرح انھیں مت مارو۔ اس نے پتھر پھل کی طرف مارا تھا اگر وہ میرے آ لگا تو اس میں اس بچے کا کیا قصور ہے۔ اب تم ان سب بچوں کو مٹھائی بانٹو اور سکّوں سے ان کی جیب بھر دو۔ اس سے وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے کہ کسی راجا سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"واقعی رنجیت سنگھ تو غضب کے راجا تھے، جو اُن بچوں میں مٹھائی اور روپیہ بانٹتے تھے جن کے پتھر سے اُن کی پیشانی زخمی ہوئی تھی۔" ہنی نے کہا۔ "اگر ہماری کلاس کے گنجے ماسٹر صاحب پر کوئی پتھر پھینک دیتا تو وہ اس کی چمڑی اُدھیڑ دیتے۔"

"پیارے ہنیؔ"، نانی نے تنبیہ کی۔" اپنے ماسٹر صاحب کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔
اب راجا کے بارے میں ایک اور بات سنو .....
"..... ایک مرتبہ بارش نہیں ہوئی تھی اور گیہوں کے کھڑے کھیت سوکھ گئے۔ تب راجا نے کہا: 'میری رعایا کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے گودام پچھلے سال کی فصل سے بھرے ہوئے ہیں۔ سب سے کہہ دو کہ جن کے پاس اناج نہیں ہے، وہ میرے گودام سے ایک ایک بوری لے جائیں۔' یہی نہیں بلکہ رات کو راجا فقیروں کی طرح پھٹے کپڑے پہن کر بدلے ہوئے بھیس میں یہ دیکھنے جاتے کہ ان کے حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔
"ایک دن جب راجا ایک چھپّر کے پاس سے گزر رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ایک بھرے ہوئے تھیلے پر بیٹھا ہے۔ راجا نے پوچھا: 'بابا رات ہو رہی ہے آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟'
بوڑھے آدمی نے جواب دیا: 'کیا کروں بھائی، تھیلا بہت بھاری ہے اور اسے اُٹھا کر میں لے جا نہیں پا رہا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں؟'
راجا نے کہا: 'کوئی بات نہیں بھائی، آپ راستہ بتائیے، میں اس تھیلے کو آپ کے گھر پہنچا دیتا ہوں۔' اور پھر راجا نے اس تھیلے کو اپنے کندھے پر رکھ کر بوڑھے کی جھونپڑی تک پہنچا دیا۔
اُوی نے کہا۔ راجا کو چھوڑیے۔ آج تو ایک بھکاری بھی ایسا نہیں ملتا جو کسی کی مدد کر سکے۔"
پنیت نے پوچھا: "لیکن اُوی تم بتاؤ، کیا راجا نے اس بوڑھے آدمی کے بوجھ کو اُٹھا کر ٹھیک کام کیا تھا؟

"ہاں ۔اس نے بہت اچھا کام کیا تھا۔" اوی نے جواب دیا ۔" نانی نے بتایا ہے کہ راجا رنجیت سنگھ دوسرے راجاؤں کے مقابلہ میں بالکل مختلف راجا تھا ۔ ایسے اچھے کاموں کی وجہ سے ہی لوگ انھیں پیار کرتے تھے ۔"

اوی کے جواب سے نانی نے خوش ہو کر کہا: "بہت اچھی بات کہی ہے تم نے ۔ راجا نے ایک بوڑھے کی مدد کر کے بہت اچھا کام کیا تھا ۔ اس کام کی وجہ سے راجا کی عزّت دوسروں کی نظر میں کم نہیں ہوئی ۔ جب لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اور زیادہ اپنے راجا سے پیار اور اس کی عزّت کرنے لگے ۔ اس لیے بچّو ، یاد رکھو کہ جو آدمی نرم دل اور سادہ مزاج ہوتا ہے اور اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچتا وہ واقعی مہان ہوتا ہے ۔ دوسرے لوگ عام ہوتے ہیں ۔ راجا رنجیت سنگھ حقیقت میں مہان تھے ، اسی لیے عوام انھیں 'مہاراجا' کہتے تھے ۔"

"تب ہم سب کو بھی رنجیت سنگھ کو 'مہاراجا' کہنا چاہیئے ؟" سنّی نے پوچھا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ۔" نانی نے جواب دیا ۔"اب سے ہم سب ان کو مہاراجا ہی کہا کریں گے ۔"

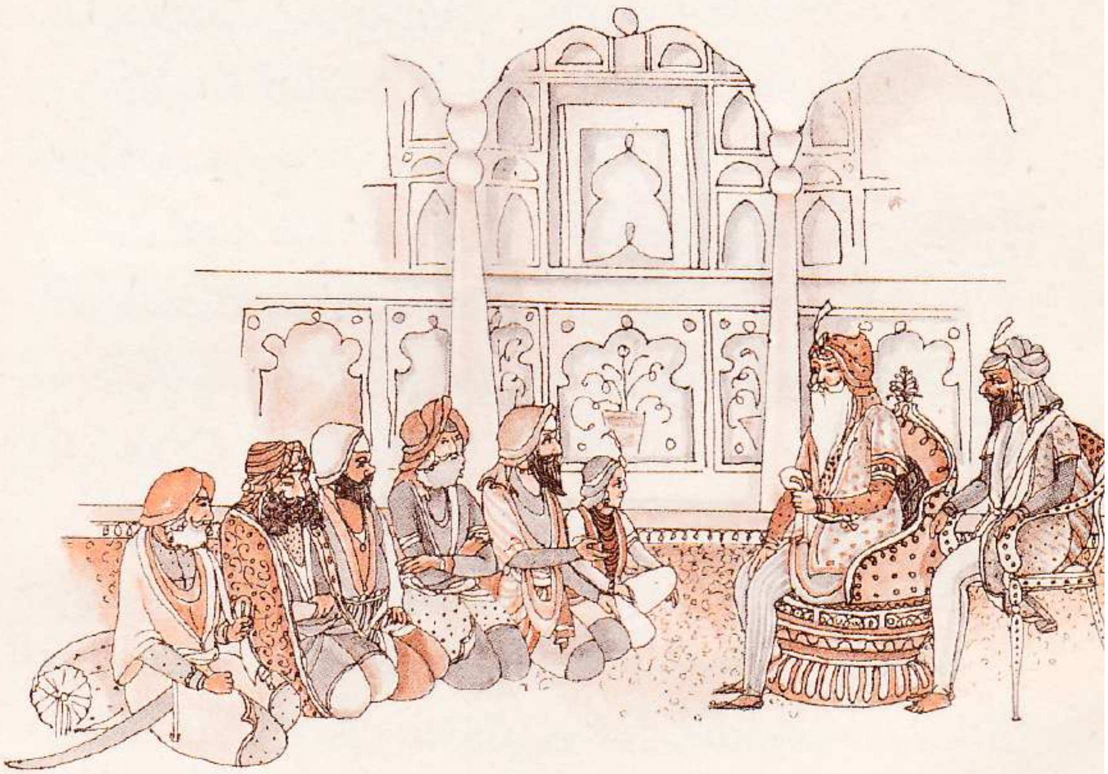
"نانی ۔ نانی !" عرش نے دادی کے کندھے پکڑ کر پوچھا ۔" لیکن یہ تو بتائیے کہ مہاراجا کہاں تک پڑھے تھے ؟"

نانی نے ہنس کر جواب دیا : " مہاراجا تو پرائمری اسکول میں بھی نہیں گئے تھے ۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ اپنا نام بھی لکھ سکتے تھے یا نہیں ۔"

یہ سُن کر پینیت کو تعجب ہوا ۔" اگر رنجیت سنگھ کبھی اسکول نہیں گئے تو پھر وہ راجا کیسے بن گئے ؟"

نانی نے بتایا: "امتحان پاس کرنا بھی ضروری ہے لیکن امتحان پاس کرنے سے ہی آدمی بڑا یا چھوٹا نہیں ہوجاتا۔ آدمی اپنے اچھے کاموں سے بھی بڑا بنتا ہے۔ رنجیت سنگھ بڑے تھے، چونکہ ایک بڑے علاقے پر حکومت کی تھی، حالانکہ ان کے والد ایک چھوٹی سی ریاست چھوڑ گئے تھے۔

مہاراجا رنجیت سنگھ اپنے درباریوں کے ساتھ



مگر انھوں نے اپنی کوششوں سے ایک بڑی حکومت قائم کر دی۔ وہ بڑے اعلیٰ انسان تھے، کیونکہ وہ ایک سورما تھے۔ وہ اس لیے بھی مہان تھے کیونکہ وہ اپنی رعایا سے پیار کرتے تھے اور رعایا کی خوشحالی کا دھیان رکھتے تھے۔ وہ اس لیے بھی مہان راجا تھے کیونکہ وہ عقلمند تھے۔ تم سب نے امتحان پاس کیے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اور امتحان بھی پاس کرو گے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ آدمی بڑا صرف امتحان پاس کرنے سے نہیں بن جاتا۔"

"نانی"، پنیت نے کہا۔ "آپ نے یہ تو بتایا کہ رنجیت سنگھ بڑے بہادر تھے لیکن ان کی بہادری کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا۔"

"ان کی بہادری کے بارے میں کئی کہانیاں سُنا سکتی ہوں لیکن پہلے تم یہ تو بتاؤ کہ تم سب میں کون زیادہ بہادر ہے؟"

اوی نے جھٹ سے کہا: "ہتّی ہم میں سب سے زیادہ بہادر ہے۔ وہ کسی شیر سے بھی نہیں ڈرتا لیکن اگر اس نے کسی چوہے کو دیکھ لیا تو چیخنے لگے گا۔"

یہ سُن کر سب زور سے ہنس دیے۔ صرف ہتّی گھٹنے کے بل بیٹھ کر غصّے سے بولا: "نانی، اسے چُپ کرادو، نہیں تو میں مار بیٹھوں گا۔"

"نہیں ہتّی، اتنا غصّہ نہیں کرتے۔" نانی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "وہ مذاق کر رہا ہے، کوئی جھگڑا نہیں کر رہا ہے۔ کسی مذاق کا جواب مذاق ہی سے دینا چاہیئے۔ مار پیٹ سے نہیں۔ ٹھیک ہے اب اوی کے ساتھ مذاق کرنے کا ہم موقع ڈھونڈیں گے۔"

پھر نانی نے کہانی کو آگے بڑھایا: "مہاراجا رنجیت سنگھ کے والد سردار مہا سنگھ کی موت اس وقت

ہوگئی تھی، جب رنجیت سنگھ کی عمر صرف دس سال کی تھی۔ جس واقعہ کا اب میں ذکر کرنے جا رہی ہوں، وہ اس وقت ہوا تھا، جب رنجیت سنگھ ہمارے بنیت کی طرح تیرہ برس کے تھے۔ لیکن اسی عمر میں انھوں نے گھڑسواری اور تلوار چلانا سیکھ لیا تھا۔ ایک دن وہ اپنی پسند کی گھوڑی پر سوار ہوکر شکار کے لیے گئے، ساتھ میں تقریباً ایک درجن اور بھی گھڑ سوار تھے۔ جیسے ہی وہ شہر سے باہر نکلے تو رنجیت نے اپنی گھوڑی کو ایڑی ماردی۔ اس سے لگام ٹوٹ گئی اور گھوڑی ہوا کی رفتار سے دوڑنے لگی۔ ان کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے اور رنجیت ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ رنجیت سنگھ کو اس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ ان کی گھوڑی نے ان کو نواب حشمت خاں چٹھا کی ریاست میں پہنچا دیا ہے۔ وہ آدمی رنجیت سنگھ کو مارکر، ان کی ریاست کو اپنی ریاست میں ملا لینا چاہتا تھا۔ اس وقت وہ نواب بھی شکار کے لیے نکلا ہوا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ دونوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ رنجیت کو دیکھ کر نواب نے سوچا کہ اب کوئی اس بچّے کو نہیں بچا سکتا۔ اس نے تلوار نکال لی اور اپنے گھوڑے کو رنجیت کی طرف دوڑایا اور ان پر تلوار سے وار کیا۔ لیکن اس بات کو رنجیت سنگھ پہلے ہی سمجھ گئے تھے، وہ بجلی کی طرح گھوڑی کی گردن سے لپٹ گئے۔ اس وجہ سے ان کو زخم نہیں لگا۔ اور معلوم ہے رنجیت نے کیا کیا؟ انھوں نے گھوم کر اتنی زور سے نواب پر وار کیا کہ نواب کا سر، دھڑ سے الگ ہوگیا۔"

"ہاں عرش، اس کی گھوڑی بھی ہوا کی طرح تیز دوڑنے والی تھی۔"

عرش کے پوچھنے پر نانی نے گھوڑی کی رفتار کے بارے میں بتایا اور تب ہی سنّی پوچھ بیٹھا: "تو کیا نواب کا کام تمام ہوگیا؟" "ہاں بیٹا، نواب مر گیا اور جب رنجیت کے ساتھیوں نے اسے تلاش کرلیا تو انھوں نے نواب کا سر زمین پر پڑا ہوا دیکھا۔ وہ سب سمجھ گئے اور رنجیت سنگھ کی بہادری کی تعریف کرنے لگے۔"

پُنیت نے پوچھا: "کیا واقعی اس وقت وہ تیرہ سال کے تھے؟"

"ہاں، یہ سچ ہے۔ وہ تیرہ سال ہی کے تھے۔" نانی نے جواب دیا۔

اُدی اور ہتّی خوش ہو کر کہنے لگے۔ "واہ، واقعی وہ بہت بہادر راجا تھے۔"

نانی نے کہانی کو آگے بڑھایا: "اسی ہمّت اور بہادری کی وجہ سے انھوں نے انیس بیس برس کی عمر میں لاہور فتح کر لیا تھا۔ یہ بات سن 1800ء سے پہلے کی ہے۔ جب وہ لاہور کے راجا بن گئے تو رعایا کی بھلائی کے لیے انھوں نے بہت سے کام کیے۔ سال کے ختم ہوتے ہوتے رعایا انھیں راجا کی بجائے 'مہاراجا' کہنے لگی۔ رنجیت نے سوچا کہ جب رعایا مجھے مہاراجا کہنے لگی ہے تو مجھے اپنی چھوٹی ریاست کو بڑھانا چاہیئے۔ اور وہ ریاست کو بڑھانے لگے۔ وہ ہتھیار جمع کرنے اور فوج میں مزید سپاہیوں کو بھرتی کرنے لگے۔ ان کی خواہش تھی کہ دنیا کے اچھے سے اچھے سپاہی ان کی فوج میں ہوں۔ فوجیوں کو اچھی تربیّت دینے کے لیے انھوں نے فرانس، اٹلی اور کئی ملکوں سے افسر بلائے اور انھیں اچھی تنخواہیں دیں۔ حالانکہ وہ سکھ تھے لیکن فوج کی بھرتی میں انھوں نے کسی بھید بھاؤ کو نہ برتا۔"

"کیوں؟ جب وہ سکھ تھے تو صرف سکھوں کو ہی نوکری کیوں نہیں دی؟" اُدی نے پوچھا۔

نانی نے جواب دیا: "اُدی بیٹا، رنجیت کہا کرتے تھے کہ سب لوگ ایک جیسے ہی ہیں، چاہے وہ کسی دوسرے ملک کے ہوں، کسی بھی مذہب کے ہوں، یا کسی بھی قوم کے ہوں۔



مہاراجا رنجیت سنگھ شکار پر جاتے ہوئے



اکالی

اُن کے وزیراعظم جموّں کے رہنے والے ایک ہندو تھے ۔ ان کے وزیرخارجہ ایک مسلمان، فقیر عزیزالدین تھے ۔اوران کے ڈاکٹر بھی ایک مسلمان، حکیم نورالدین تھے ۔ ان کے خزانچی ایک ہندو بھوانی داس تھے ۔ ان کی فوج میں کئی عیسائی بھی تھے ۔ وہ بغیر کسی امتیاز کے لوگوں کے کام کو دیکھتے تھے ۔"

"نانی! آپ نے بہت اچھی طرح سمجھایا۔" پُنیت بولا۔ "یہی بات ہمارے ہندوستان میں بھی ہونی چاہیئے ۔"

"خوب، پُنیت تم اچھی تقریر کر سکتے ہو۔ تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اگر کام کرنے والوں کو معقول معاوضہ مل جائے تو اس سے ملک کے آگے بڑھنے میں مدد ملے گی ۔ اچھا، اب یہ بتاؤ کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کی پیدائش کہاں ہوئی تھی ؟"

"امرتسر ۔" سینت نے جواب دیا۔

"نہیں ۔"

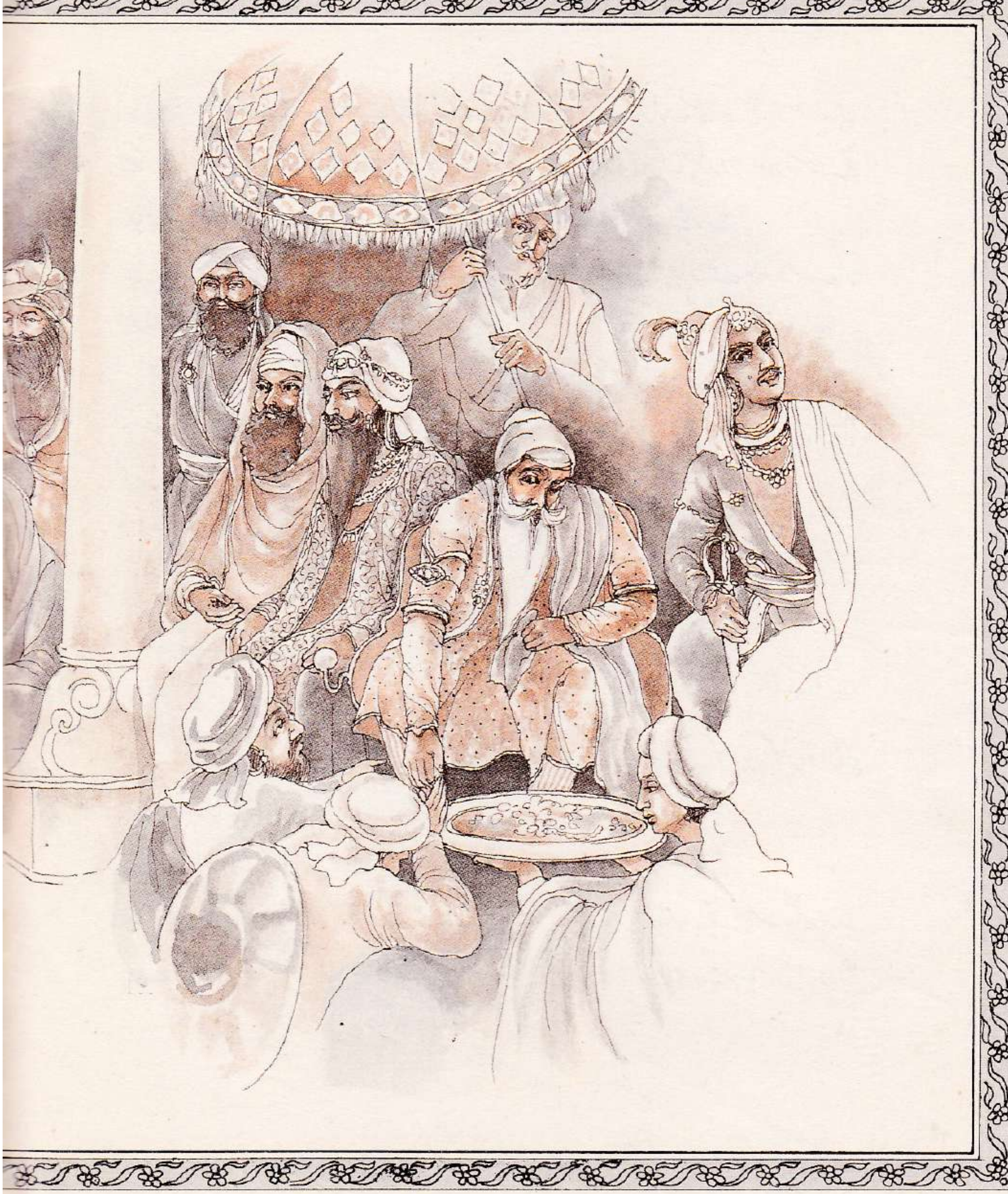
"لاہور ۔" اُدی بولا۔

"اوں ہوں ۔"

"معلوم نہیں وہ کہاں پیدا ہوئے تھے ۔" ہِتّی نے کہا۔ "لیکن کہیں نہ کہیں تو ان کی پیدائش ہوئی ہوگی ۔"

نانی اور سب ہی زور سے ہنس دیئے ۔

"ہمارا ہِتّی تو نجومی بن گیا ہے ۔" نانی نے کہا۔ "دیکھو جس شہر میں رنجیت سنگھ پیدا ہوئے تھے، وہ تھا گجرانوالا۔ یہ علاقہ اب پاکستان میں ہے ، جو لاہور سے بیالیس میل دور ہے۔



مہاراجا رنجیت سنگھ کا دربار



عرش اب تم بتا سکتے ہو کہ رنجیت سنگھ کہاں پیدا ہوئے تھے ؟"

عرش نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ "گڑھ دیوالا میں۔"

سینت نے عرش کے کندھے دبا کر کہا: "گڑھ دیوالا نہیں، گجرانوالا۔ اب یاد رکھنا۔"

عرش نے سنیت کا ہاتھ کندھے پر سے ہٹا دیا اور سسکنے لگا۔

نانی نے عرش کو گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگیں۔ "عرش تو بہت اچھا بچّہ ہے۔ میں نے خود کبھی گڑھ دیوالا نہیں دیکھا لیکن عرش جانتا ہے۔ اب وہ گجرانوالا کو بھی جان لے گا۔ ٹھیک ہے نا عرش؟"

عرش نے خوش ہو کر گردن ہلا دی۔

نانی نے پھر کہانی شروع کی: "تو میں کیا کہہ رہی تھی؟ ہاں۔ رنجیت سنگھ کی پیدائش گجرانوالا میں ہوئی۔ جب وہ چھوٹے تھے، تب ان کے چہرہ، بازو، پیر اور جسم کے تمام حصّوں پر چھوٹے چھوٹے دانے ابھر آئے۔ انھیں چیچک نکل آئی تھی۔ جہاں جہاں کے دانے ٹھیک ہوتے، وہاں وہاں گہرا داغ بن جاتا۔ انھیں دنوں کئی بچّے چیچک سے مر بھی گئے تھے۔ خدا کا شکر کہ رنجیت سنگھ بچ گئے۔ لیکن ان کے چہرے پر چیچک کے داغ نمایاں طور پر رہ گئے جس کی وجہ سے وہ ایک خوبصورت راجکمار نہیں رہ گئے جیسے پہلے تھے۔"

تب ہی اَدی نے پوچھا۔ "ان کے پتا نے انھیں چیچک کا ٹیکہ کیوں نہیں لگوایا؟"

نانی نے جواب دیا: "ان لوگوں کو تب اس بارے میں معلومات نہیں تھی۔ اب تو ٹیکے کی وجہ سے دنیا سے چیچک کا نام ہی مٹ گیا ہے۔ اگر انھیں اُس وقت یہ بات معلوم ہوتی تو رنجیت سنگھ کی بائیں آنکھ بچ جاتی۔"

"ان کی آنکھ کو کیا ہوا تھا؟" یہ ہنی کا سوال تھا۔

نانی نے جواب دیا: "چونکہ اُن کی آنکھ میں پھنسی ہو گئی تھی، اس وجہ سے وہ اُس آنکھ سے



مہاراجا رنجیت سنگھ کی ایک تصویر

کبھی نہیں دیکھ سکے۔"

"نانی، ایسا مہاراجا، اور ایک آنکھ کا۔ ۔ ۔" پُنیت نے پوچھا۔ "کیا لوگ اس کا مذاق نہیں اُڑاتے تھے؟"

"نہیں بیٹے۔ رنجیت سنگھ نے چھوٹی عمر میں اتنی شہرت پالی تھی کہ کوئی بھی مذاق اُڑانے کی ہمّت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن وہ خود ہی اپنا مذاق اُڑایا کرتے تھے ـــــ 'کیا آپ جانتے ہیں کہ میری ایک ہی آنکھ کیوں ہے؟' اور پھر خود ہی جواب بھی دیتے تھے۔ 'کیونکہ مجھے اپنی رعایا کو ایک جیسا ہی دیکھنا چاہیئے۔ اور چھوٹے بڑے میں فرق نہیں کرنا چاہیئے۔'

"اب تم ہی سوچو کہ جس بچّے کے چہرے پر کالے اور گہرے داغ ہوں، جو ایک آنکھ والا ہو، جس کے باپ کی موت اس وقت ہوگئی ہو جب وہ صرف دس برس کا ہو، جو اسکول نہ جاسکا ہو اور جس کے پڑوسی اس کی ریاست کو ہڑپنے کے درپے ہوں۔ . . کیا کرے وہ؟ لیکن رنجیت سنگھ بہادر اور دلیر تھے۔ پریشانی کے وقت بھی وہ دل سے کمزور نہیں ہوئے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کو خود کو مضبوط رکھنا ہے اور ہوشیار رہنا ہے، زندگی سے ہارنا نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو ہوسکتا ہے کہ باپ کی چھوڑی ہوئی چھوٹی سی ریاست بھی چھن جائے۔"

پُنیت نے پوچھا: "کیا ان کے بھائیوں نے ان کی مدد نہیں کی؟"

"رنجیت اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔" نانی نے بتایا۔ "کوئی بھائی نہیں تھا۔ اب آگے سنو۔ اُن دنوں بہادر آدمی کو گھُڑسواری سیکھنا ضروری تھا۔ ساتھ ہی تیراندازی، بندوق چلانا اور تلوار بازی بھی سیکھنا ہوتا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد انھوں نے گھُڑسواری، تلوار چلانا، نشانے بازی بھی سیکھی اور اس میں وہ ماہر ہوگئے۔ ان کے استادوں نے کہا کہ یہ راجکمار تو ہم سب سے بھی آگے نکل جائے گا۔"

اَوی نے پوچھا: "نانی! رنجیت سنگھ کو یہ کیسے پتہ چلا کہ انھیں اتنی ساری لڑائیاں لڑنی ہیں؟"

"بیٹے اس زمانے میں پنجاب میں کئی چھوٹے چھوٹے راجا تھے۔ راجا آپس میں ہی لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اس لیے رنجیت سنگھ نے سوچا کہ اگر ان کی فوج طاقتور ہو جائے گی تو وہ ان چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو ہٹا کر ایک بڑی ریاست قائم کر سکیں گے۔ اس طرح وہ ان آپسی لڑائیوں کو بھی ختم کر دیں گے۔ اس سے وہ ان ایرانی اور افغانی لوگوں کو بھی روک سکیں گے، جو پنجاب میں گھس بیٹھ کر کے لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔"

ہنّی نے پوچھا: "آخر ان کی کتنی بڑی ریاست تھی؟"

"یہ تو مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم۔" نانی نے بتایا۔ "ٹھیک معلومات کے لیے تو نقشہ دیکھنا پڑے گا۔ لیکن ان کی حکومت کا ایک سرا افغانستان سے ملا ہوا تھا اور دوسرا تبّت اور چین کے ساتھ۔ اس طرح لدھیانہ اور فیروزپور سے لے کر سندھ تک کے بہت بڑے علاقہ میں مہاراجا رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔"

"واہ۔ واہ۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کی اتنی بڑی ریاست۔" اوی نے تعجب سے کہا۔ "لیکن وہ لدھیانہ اور فیروزپور سے آگے دہلی تک کیوں نہیں گئے؟"

"کیونکہ انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا ___ 'اگر آپ ہمیں تکلیف نہیں دیں گے تو ہم بھی آپ کو تکلیف نہیں دیں گے۔' اس لیے مہاراجا نے اپنی نظر دوسری طرف گھما لی۔"

"اس وقت ان کی عمر کتنی تھی؟"

"سنیت، مہاراجا کی پیدائش ۱۷۸۰ء میں ہوئی تھی، اور موت ۱۸۳۹ء میں۔ اب سوچو کتنے برس ہوئے۔ انسٹھ نا۔ یعنی ساٹھ میں ایک کم۔ دیکھو میری عمر بھی اس وقت ستّر کے قریب ہے۔

جنگ پر جاتے ہوئے





ہاں تو، ان کی عمر بہت نہیں تھی لیکن اتنے کم وقت میں انھوں نے جو کیا وہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ اچھا بچو، تم کہانی دھیان سے سن رہے ہو نا؟ اگر نیند نہیں آ رہی ہو تو میں کہانی جاری رکھوں، یا پھر ہم سب سونے کی تیاری کریں۔"

بچّوں کو مہاراجا کی باتوں میں مزہ آرہا تھا اور وہ سُنتے رہنا چاہتے تھے۔ یہ بات نانی کو معلوم تھی۔ اس لیے نانی نے کہانی کو آگے بڑھایا: "اپنی حکومت کے زمانے میں رنجیت سنگھ نے کسی کو پھانسی کی سزا نہیں دی۔ سچ بات تو یہ تھی کہ وہ سزا دینے کی بجائے معاف کر دینے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ایک بار انھیں پتہ چلا کہ ان کے افسروں نے نمک لے جانے والے اونٹوں کے ایک کارواں کو پکڑ لیا ہے۔ انھوں نے حکم دیا کہ انھیں چھوڑ دیا جائے۔ ایک بار پتہ چلا کہ ایک طاقتور زمیندار نے ایک غریب کسان کی زمین پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ انھوں نے غریب کی زمین کو واپس کر دینے کی ہدایت دی۔ ایک بار پتہ چلا کہ پٹھانوں کے ایک گاؤں میں، جہاں ان کی فوج لڑ رہی تھی، مسلمانوں کی ایک بڑی لائبریری ہے، انھوں نے فوج کو یہ ہدایت بھیجی کہ وہاں کی ایک کتاب بھی خراب نہیں ہونی چاہیئے۔ ایک مرتبہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن شریف کا ایک مولوی نے خوبصورت نسخہ تیار کیا ہے اور وہ اسے ملک سے باہر بھیجنا چاہتے تھے، کیونکہ پنجاب میں کوئی بھی مسلمان اس نسخہ کو 50.00 روپیوں میں خریدنے کو تیار نہیں تھا۔ مہاراجا نے حکم دیا کہ اس نسخے کو 5000 کی بجائے 10,000 روپیوں میں خرید لیا جائے۔ 'یہ صحیح ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میں اس پاک کتاب کی عزّت کرتا ہوں۔ قرآن شریف صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، سب کے لیے ہے۔' یہ کہہ کر انھوں نے وہ نسخہ اپنے وزیر فقیر عزیزالدین کو بطور تحفہ دے دیا۔"

اب نانی نے پوچھا: "بچّو، کیا تم سب نے ہرمندر صاحب دیکھا ہے؟"

"ہاں، ہاں دیکھا ہے۔ نانی آپ ہی تو ہمیں وہاں لے گئی تھیں۔"

"اس پر مہاراجا نے ہی سنگ مرمر اور سونے کے تار لگوائے تھے۔ اسی طرح مہاراجا نے کئی مندر، مسجدوں کو بھی ٹھیک کرایا تھا۔"

پنیت بولا: "یعنی مہاراجا بڑے دریا دل تھے۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔ انھوں نے اپنے راج محل کے دروازے پر شکایت پیٹی لگوائی تھی اور اس کی چابی وہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ کوئی بھی مصیبت زدہ شکایت لکھ کر اس میں ڈال سکتا تھا۔ مہاراجا اس کا بہت خیال رکھتے تھے کہ سب کو انصاف ملے۔ یہاں تک کہ ان کے ماتحت کام کرنے والا کوئی افسر بھی اگر غلط کام کرتا تھا تو وہ اسے بھی سزا دیتے تھے۔ ان کی حکومت میں ایک اطالوی گورا افسر تھا، اس کا نام تھا اوتیابل۔ اسے انھوں نے پیشاور کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ایک بار اس حاکم نے ناراض ہوکر پٹھانوں کے کئی مکان گرا دیے۔ مہاراجا نے یہ خبر سن کر اوتیابل کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً اپنے خرچ سے سب مکان بنوائے اور آکر اپنی رپورٹ دے۔"

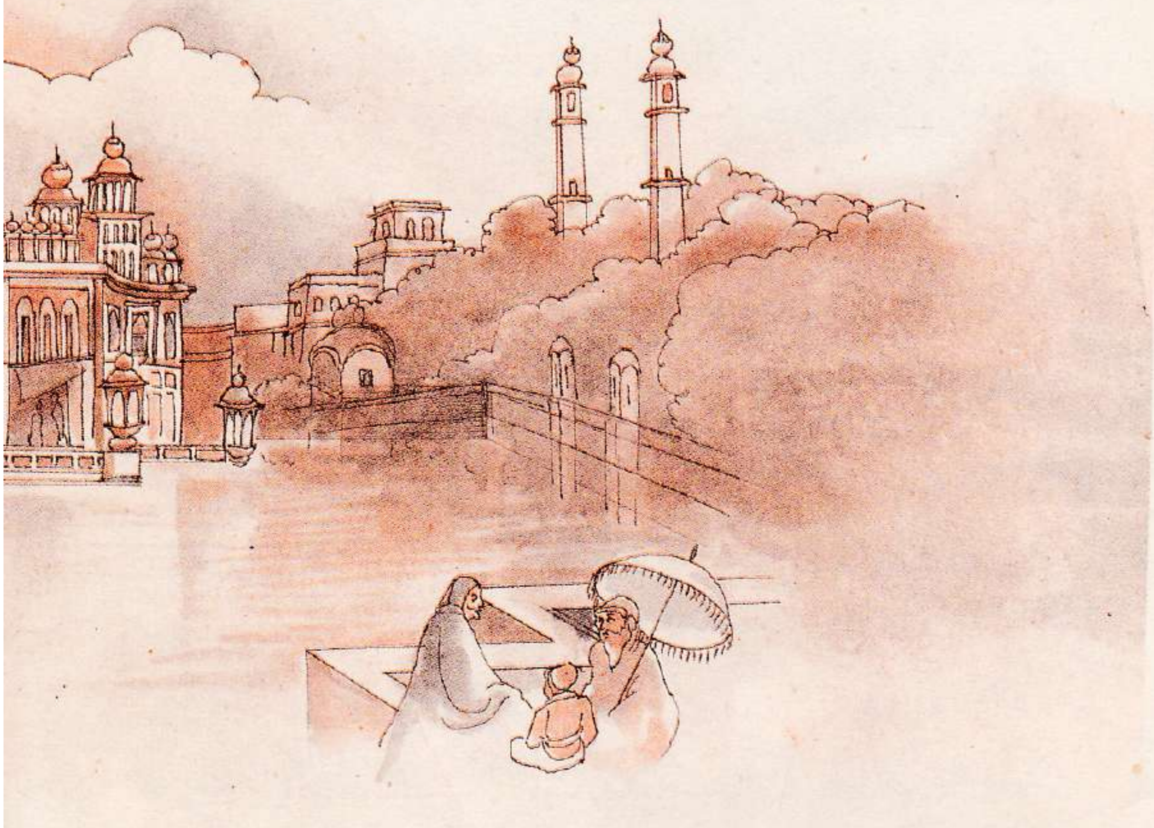
عرش اور سنیت دونوں نے کہا۔ "تو اس بات سے اسے خاصی سمجھ آگئی ہوگی کہ غریبوں کو نہیں ستانا چاہیئے؟"

"ٹھیک کہا تم نے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی یہ معلوم ہو کہ اس بات کی کیسے سزا دی گئی ہے۔"

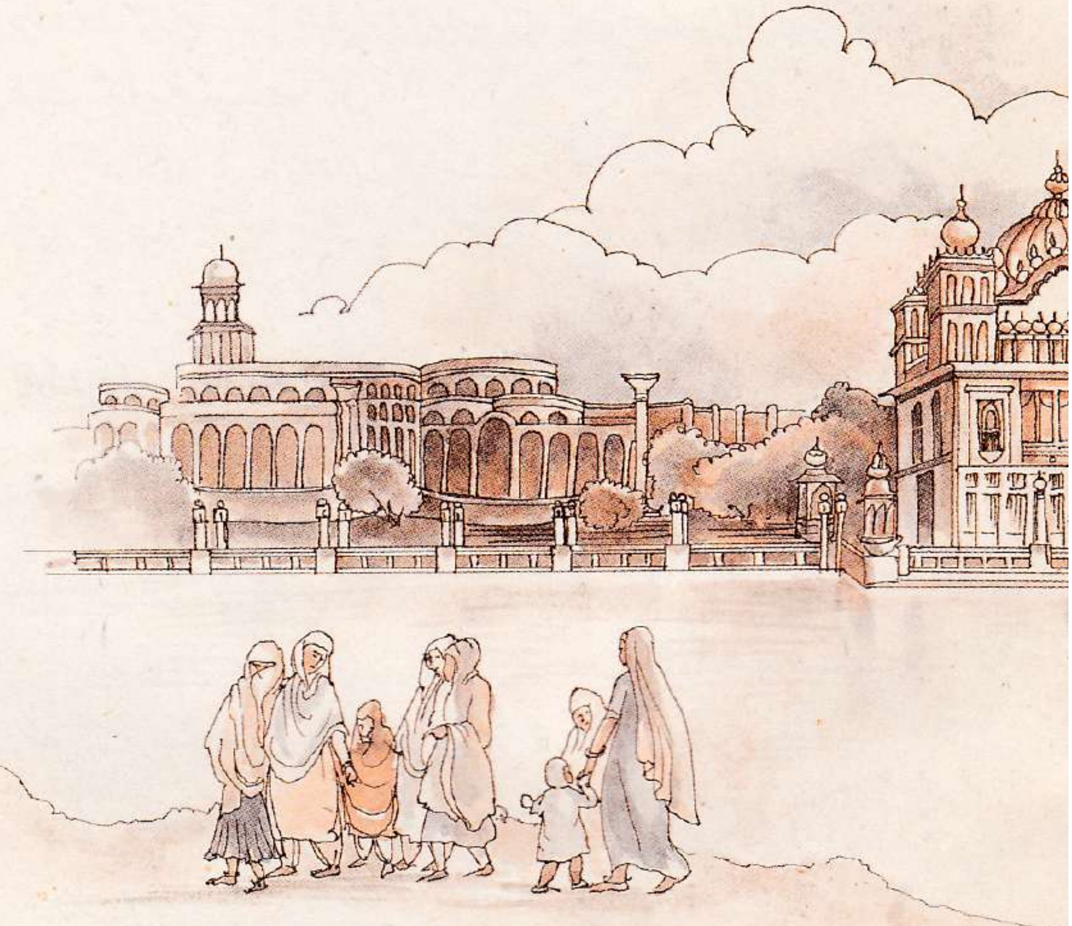
"دیکھو۔ سب لوگوں میں آپسی میل جول بڑھے۔ اس لیے وہ ہر تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا کرتے تھے ۔۔ بسنت پنچمی، عید، ہولی، بیساکھی، دیوالی . . .

جیسے ہی ہولی آتی؛ وہ اپنی فوج میں گلال تقسیم کرادیتے تھے اور انھیں چھٹی دیدیتے تھے تاکہ وہ خوب خوشی منائیں۔ وہ اپنے وزیروں کے ساتھ ہاتھ میں پچکاری لے کر

ہرمندر صاحب



نکل جاتے اور جب تک لوگ تر بتر نہ ہو جائیں تب تک رنگ پھینکتے رہتے۔ پھر سب کو تحفے تحائف دیتے تھے۔"



"واہ۔مزہ آجاتا ہوگا۔"

" اور دیوالی پر۔۔۔ سارے دفتروں میں روشنی کی جاتی تھی اور آتشبازی بھی۔ وہ لوگوں کو انعام بھی دیتے تھے۔ یعنی دوسروں کی خوشی کو وہ اپنی خوشی مانتے تھے۔

اب آدی بولا۔" اگر وہ لوگوں کو خوش دیکھنا چاہتے تھے تو ہمارے ماں باپ ویسا کیوں نہیں چاہتے؟ ہولی پر وہ رنگ نہیں کھیلنے دیتے۔ دیوالی پر پٹاخے نہیں چلانے دیتے۔ کیا یہ ٹھیک ہے، نانی؟"

" دیکھو آدی۔ باپ اگر ہولی پر روک لگاتے ہیں تو اس لیے کہ تم لوگ صرف صاف ستھرے رنگوں سے کھیلو، نہ کہ کیچڑ پھینکو یا آپس میں جھگڑو۔ دیوالی پر وہ چاہتے ہیں کہ پھلجھڑی یا چھوٹے پٹاخے چلاؤ، نہ کہ ایٹم بم چھوڑنے لگو۔ یہ بات تو غلط نہیں ہے لیکن ابھی یہ سب چھوڑو تو میں کہانی آگے بڑھاؤں؟"

"ہاں، ضرور نانی۔" سب نے ایک ساتھ کہا۔

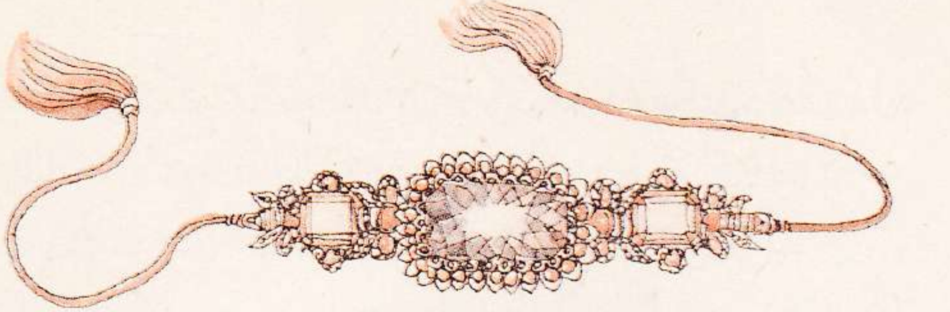
" لیکن نانی میں نے تصویروں میں دیکھا ہے کہ راجا عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ زیور پہنتے تھے؟" پینٹ نے پوچھا۔" کیا رنجیت سنگھ بھی ہیرے جواہرات پہنتے تھے؟"

"نہیں بیٹے، نہیں۔" نانی نے جواب دیا۔" مہاراجا کو ڈھیروں زیور پہننا پسند نہیں تھا۔ لیکن ان کے پاس ایک ایسا جگمگاتا ہیرا تھا جسے کوئی ایک بار دیکھ لیتا تو اس کی تعریف ہی کرتا رہتا۔ اس کا نام تھا 'کوہِ نور' یعنی روشنی کا پہاڑ۔ مہاراجا کو یہ ہیرا بہت پسند تھا۔ جب بھی دربار لگاتے، مہاراجا اسے اپنے بازو پر باندھ لیتے تھے۔

لیکن بیٹھنے کے لیے ان کے پاس تختِ شاہی نہیں تھا۔ ایک معمولی سی کرسی تھی، جیسے کوئی اسٹول ہو۔ انھیں "مہاراجا" کے نام سے پکارا جانا بھی پسند نہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ انھیں صرف بھائی صاحب، بڑے بھائی، سنگھ صاحب یا صرف سرکار ہی کہا جائے۔"

تیوہار منانا





کوہِ نور (ہیرا)

باہمّت اَوی نے دوسرے بچوں کی طرح جھُوم کر گھمنڈ سے کہا: " آئندہ سے اب تم سب
مجھے سرکار صاحب کہو گے ۔"

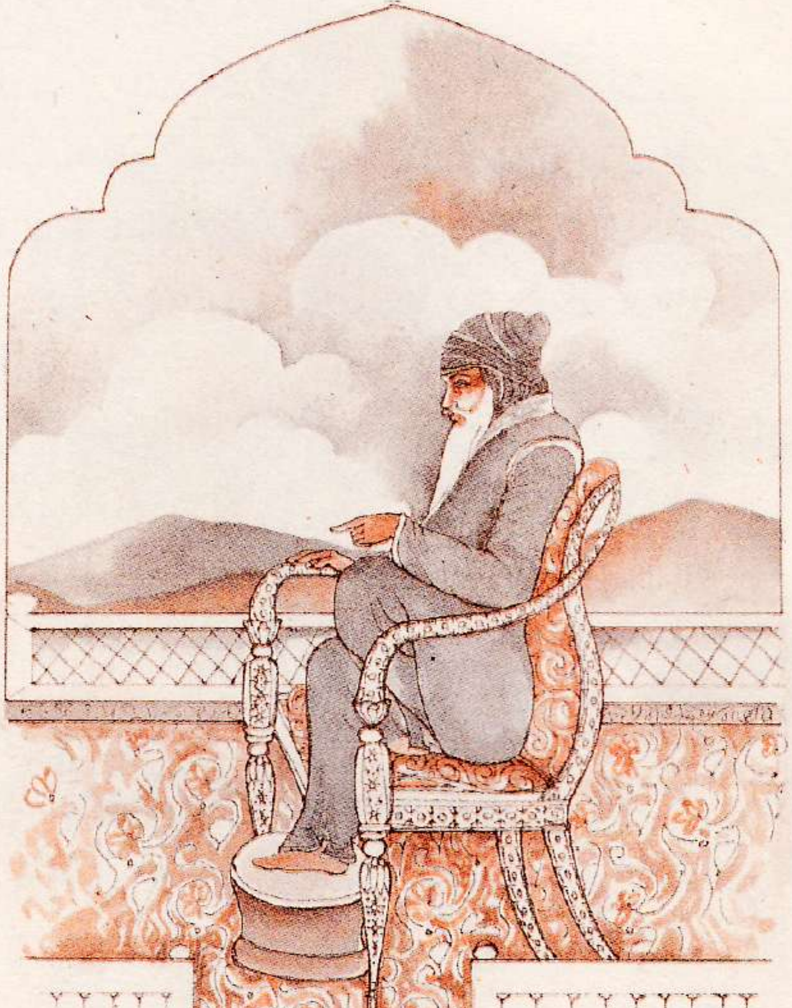
ہِنّی کو یہ بات پسند نہیں آئی ۔ " نانی ، یہ کتنا بے وقوف ہے ۔ مہاراجا رنجیت سنگھ
سرکار صاحب کہلانا چاہتے تھے ، وہ الگ بات ہے ۔ اب یہ چھٹکا مہاراجا دھیراج کہتا ہے
کہ اسے سرکار صاحب کہا جائے . . . . . . آخر کیوں ؟ کیا اس کی بھی ایک آنکھ ہے؟
ہم تجھے صرف اَوی ہی کہیں گے ۔ کرلے تو جو تجھے اپنی سورمائی سے کرنا ہے ۔"

یہ بات سُن کر سب تو ہنس دیے لیکن اَوی نے ہِنّی کو گھور کر دیکھا اور کہا :
" ٹھیک ہے بچّے ۔ کل میں بتاؤں گا کہ میری کتنی آنکھیں ہیں ۔"

نانی نے سمجھایا : " بیٹے ، جب تم نے ہِنّی کو چڑایا تھا تو میں نے اسے چُپ کرادیا تھا ۔
اب اگر اس نے کوئی بات کہی تو تم جھگڑا کیوں کر رہے ہو ؟ بھائی بھائی کو آپس میں لڑنا نہیں
چاہیئے ۔ سنو ، اب میں تمہیں رنجیت سنگھ کی آنکھ کے بارے میں بتاتی ہوں ۔ ایک بار
ایک انگریز گورے نے فقیر عزیزالدین سے پوچھا : " میں نے سنا ہے کہ تمہارے مہاراجا کی

ایک ہی آنکھ ہے! کیا یہ صحیح ہے؟' فقیر صاحب نے جواب دیا: 'میرے راجا کے پاس سورج کی طاقت ہے، ان سے کوئی آنکھ بھی نہیں ملا سکتا۔ اس لیے میں ان کی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن آپ ان کے بارے میں جاننا ہی چاہتے ہیں تو میں صرف ان کے پیروں

مہاراجا رنجیت سنگھ من پسند کُرسی پر بیٹھے ہوئے



کے بارے میں ہی بتا سکتا ہوں، کیونکہ میں جب ان کے سامنے جاتا ہوں تو میری نظریں جھکی رہتی ہیں اور میں صرف ان کے پیر ہی دیکھ سکتا ہوں۔'

"واہ۔ کیا بڑھیا جواب دیا' عزیز الدین صاحب نے۔" سنیت نے کہا۔

"اسی وجہ سے تو وہ وزیر بن پائے۔" پُنیت نے بات ملائی۔ "اگر وہ اتنے عقلمند اور ہوشیار نہ ہوتے تو انھیں کون پوچھتا۔"

نانی نے پھر کہانی کو آگے بڑھایا: "فقیر عزیز الدین کی بات سے یہ بات تم سمجھ گئے ہو گے کہ مہاراجا رنجیت سنگھ کے لیے لوگوں کے دلوں میں کتنا پیار اور عزّت تھی۔ پنجاب کے لوگ ان کے لیے اپنی جان تک دے سکتے تھے۔ جب کبھی وہ سنتے کہ مہاراجا بیمار ہیں تو مندر، مسجد اور گرودواروں میں لوگ دعائیں مانگنے لگتے تھے کہ خدا ان کے راجا کو اچھا کر دے۔

"... لیکن کوئی بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ جب رنجیت سنگھ کا انتقال ہوا تو لاکھوں لوگ گھروں سے نکل کر گلی، بازاروں میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر رونے لگے ....

'مہاراجا' ہمیں کیوں چھوڑ کر چل دیے۔'

'آپ جیسا ہمدرد ہمیں اب کون ملے گا۔'

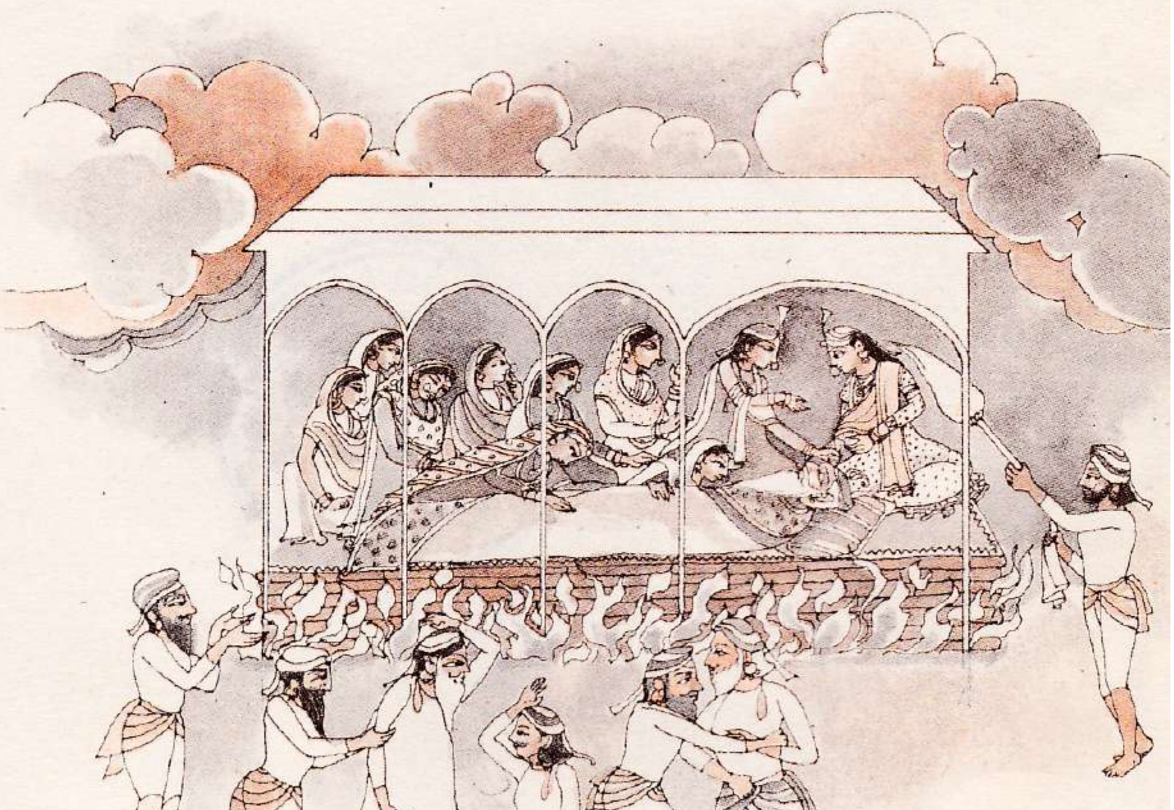
'اب راجا رنجیت سنگھ جیسا راجا کوئی اور پیدا نہیں ہوگا۔'

"ہر آدمی رو رہا تھا۔ پورے پنجاب میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا، جس کی آنکھوں میں

آنسو نہ آئے ہوں اور جس نے آہ نہ بھری ہو۔ چاروں طرف غم ہی غم چھا گیا تھا۔"

پُنیت بولا: "میرا اعتقاد ہے کہ کچھ راجاؤں کے مرنے پر لوگ کہتے ہوں گے ـــــ 'اچھا ہوا، راجا نہیں رہا۔' لیکن رنجیت سنگھ ایک ایسے شخص تھے جن کی تعریف و توصیف

آخری رسوم



کے گیت آج بھی گائے جاتے ہیں۔ راجا ہو تو رنجیت سنگھ جیسا۔"
"سمجھے میرے چھوٹے راجا سنّی۔"
لیکن سنّی گہری نیند سو گیا تھا۔
"چلو اب تم بھی سو جاؤ۔" نانی نے کہا۔ "کل اسکول کی چھٹی ہے اور سویرے ہم لوگ رام باغ میں سیر سپاٹے کے لیے چلیں گے۔"



Printed at Allied Enterprises, Shahadra, Delhi-110 095



قیمت : 5.50

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا